11
کرشن چندر

11.1 تعارف

کرشن چندر اردو کے اہم اور مقبول افسانہ نگاروں میں ایک خاص مقام رکھتے ہیں۔ وہ 23 نومبر 1914ء کو وزیر آباد ضلع گوجرانوالہ (پاکستان) پنجاب میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد کا نام گوری شنکر تھا۔ کرشن چندر کی ابتدائی تعلیم پونچھ میں ہوئی۔ پونچھ سے میٹرک پاس کرنے کے بعد وہ 1930ء میں مزید تعلیم کے لیے لاہور چلے گئے جہاں فورمین کرسچین کالج میں داخلہ لیا۔ 1934ء میں پنجاب یونیورسٹی سے انگریزی میں ایم۔اے پاس کیا، بعد میں ایل۔ایل۔بی کی ڈگری بھی حاصل کی۔

کرشن چندر نے اپنی ملازمت کا آغاز لاہور ریڈیو اسٹیشن سے کیا۔ سال بھر کے اندر دہلی اور پھر لکھنؤ تبادلہ ہوگیا۔ لکھنؤ میں قیام کے دوران وہ ترقی پسند تحریک میں شامل ہوگئے۔ وہ لکھنؤ ہی میں تھے کہ ڈبلیو۔ زیڈ۔ احمد کی جانب سے انہیں شالیمار پکچرز کے لیے مکالمے لکھنے کی دعوت ملی۔ انھوں نے قبول کرلیا اور ریڈیو کی نوکری سے استعفیٰ دے کر وہ پونے چلے گئے اور پھر وہاں سے ممبئی چلے گئے۔ انھوں نے بہت سی فلموں کے لیے کہانیاں اور مکالمے لکھے۔ خود بھی فلمیں بنائیں۔

لاہور میں ریڈیو کی ملازمت سے قبل کچھ دنوں تک کرشن چندر نے وکالت بھی کی۔ ساتھ ساتھ وہ اردو اور انگریزی میں مضامین بھی لکھتے رہے۔ صحیح معنوں میں ان کی ادبی زندگی کا آغاز مولانا صلاح الدین احمد کے رسالے ''ادبی دنیا''، لاہور سے ہوا، جہاں مولانا صلاح الدین احمد نے ان کی بے حد حوصلہ افزائی کی۔ ان کے افسانوں کا پہلا مجموعہ ''طلسم خیال'' کے نام سے شائع ہوا۔

کرشن چندر بسیار نویس تھے یعنی بہت زیادہ لکھتے تھے۔ انھوں نے تقریباً 80 کتابیں لکھی ہیں جن میں افسانہ، ناول، ڈرامے رپورتاژ، مضامین وغیرہ شامل ہیں۔ لیکن ان کی بنیادی حیثیت ایک افسانہ نگار کی ہے۔ انھوں نے تقریباً 500 افسانے اور دو درجن سے زائد ناول لکھے ہیں۔ ان کے افسانوں کے نمائندہ مجموعے ''نظارے''، ''زندگی کے موڑ

ماڈیول–II

نوٹس

پر''، ''ٹوٹے ہوئے تارے''، ''اَن داتا''، ''تین غنڈے''، ''سمندر دور ہے''، ''اجنتا سے آگے''، ''ہم وحشی ہیں''، ''میں انتظار کروں گا''، ''دل کسی کا دوست نہیں''، ''کتاب کا کفن''، ''ایک روپیہ ایک پھول''، وغیرہ ہیں۔ جب کہ ''شکست''، ''جب کھیت جاگے''، ''آسمان روشن ہے''، ''باون پتّے''، ''ایک عورت ہزار دیوانے''، ''میری یادوں کے چنار''، ''چاندی کے گھاؤ''، ''کاغذ کی ناؤ''، ''ایک گدھے کی سرگذشت'' وغیرہ ناول ہیں۔

کرشن چندر اشترا کی نظریۂ زندگی یعنی سماجی مساوات میں یقین رکھتے تھے۔ ان کے نزدیک انسانوں کے درمیان کسی قسم کا امتیاز درست نہیں۔ عوام سے محبت کرنا اور ظلم وتشدد کے خلاف آواز اٹھانا ایسے اوصاف ہیں جو ان کے تمام افسانوں میں دیکھنے کو ملتے ہیں۔ ان کی زبان جذباتی، شاعرانہ، شیریں، آسان اور رواں ہے۔ کرشن چندر کو 1966ء میں سوویت لینڈ نہرو ایوارڈ ملا۔ حکومت ہند نے 1969ء میں انھیں پدم بھوشن کے اعزاز سے نوازا۔ کرشن چندر کا انتقال 8 / مارچ 1977ء کو ممبئی میں ہوا۔

11.2 آپ کیا سیکھیں گے

- سبق میں آئے ہوئے مشکل لفظوں کے معانی جان سکیں گے؛
- افسانے میں استعمال کیے گئے محاوروں کو اپنے جملوں میں استعمال کرسکیں گے؛
- کرشن چندر کے انداز تحریر سے بخوبی واقف ہوسکیں گے؛
- افسانے کے اجزائے ترکیبی جیسے پلاٹ، کردار نگاری، جزئیات نگاری، منظر نگاری، مکالمہ نگاری، تعین اور وحدت تاثر کو سمجھ سکیں گے؛
- اچھے افسانے کی خصوصیات کو جان سکیں گے؛
- اردو افسانے میں کرشن چندر کے مقام ومرتبے کا اندازہ کرسکیں گے؛
- قدرتی چیزوں کے توسط سے زندگی اور محبت کے تسلسل پر روشنی ڈال سکیں گے۔

11.3 اصل سبق

آیئے ایک بار افسانہ پڑھیں۔

پورے چاند کی رات

اپریل کا مہینہ تھا۔ بادام کی ڈالیاں پھولوں سے لدگئی تھیں اور ہوا میں برفیلی خنکی کے باوجود بہار کی لطافت آگئی تھی۔ بلند وبالا تنگوں کے نیچے مخملیں دوب پر کہیں کہیں برف کے ٹکڑے سپید پھولوں کی طرح کھلے ہوئے نظر آرہے

خنکی: ٹھنڈک

لطافت: نرمی، نزاکت

تنگوں: پہاڑ کی چوٹیوں

سپید: سفید

تھے۔ اگلے ماہ تک یہ سپید پھول اسی دوب میں جذب ہو جائیں گے اور دوب کا رنگ گہرا سبز ہو جائے گا، اور بادام کی شاخوں پر ہرے بادام پکھراج کے نگینوں کی طرح جھلملائیں گے، اور نیلگوں پہاڑوں کے چہروں سے کہرا دور ہوتا جائے گا۔ اور اس جھیل کے پل کے پار پگڈنڈی کی خاک ملائم بھیڑوں کی جانی پہچانی باآ آ (آواز) سے جھنجھنا اُٹھے گی، اور پھر ان بلند و بالا تنگوں کے نیچے چرواہے بھیڑوں کے جسموں سے سردیوں کی پلی ہوئی موٹی موٹی گف اون گرمیوں میں کترتے جائیں گے اور گیت گاتے جائیں گے۔

لیکن ابھی اپریل کا مہینہ تھا۔ ابھی تنگوں پر پتیاں نہ پھوٹی تھیں۔ ابھی پہاڑوں پر برف کا کہرا تھا۔ ابھی پگڈنڈی کا سینہ بھیڑوں کی آواز سے گونجا نہ تھا۔ ابھی سمل کی جھیل پر کنول کے چراغ روشن نہ ہوئے تھے۔ جھیل کا گہرا سبز پانی اپنے سینے کے اندر لاکھوں روپوں کو چھپائے بیٹھا تھا، جو بہار کی آمد پر یکا یک اس کی سطح پر ایک معصوم اور بے لوث ہنسی کی طرح کھل جائیں گے۔ پل کے کنارے کنارے بادام کے پیڑوں کی شاخوں پر شگوفے چمکنے لگے تھے۔ اپریل میں زمستاں کی آخری شب میں جب بادام کے پھول جاگتے ہیں، اور بہار کے نقیب بن کر جھیل کے پانی میں اپنی کشتیاں تیراتے ہیں، پھولوں کے ننھے ننھے شکارے سطحِ آب پر رقصاں ولرزاں بہار کی آمد کے منتظر ہوتے ہیں۔

پل کے جنگلے کا سہارا لے کر میں ایک عرصے سے اس کا انتظار کر رہا تھا۔ سہ پہر ختم ہوگئی۔ شام آگئی۔ جھیل ولر کو جانے والے ہاؤس بوٹ، پل کی سنگلاخی محرابوں کے بیچ میں سے گزر گئے اور اب وہ افق کی لکیر پر کاغذ کی ناؤ کی طرح کمزور اور بے بس نظر آرہے تھے۔ شام کا قرمزی رنگ آسمان کے اس کنارے سے اس کنارے تک پھیلتا گیا اور قرمزی سے سرمئی اور سرمئی سے سیاہ ہوتا گیا، حتیٰ کہ بادام کے پیڑوں کی قطار کی اوٹ میں پگڈنڈی بھی سوگئی اور پھر رات کے سناٹے میں پہلا تارا کسی مسافر کے گیت کی طرح چمک اٹھا۔ ہوا کی خنکی تیز تر ہوتی گئی اور نتھنے اس کے برفیلے لمس سے سن ہوگئے۔

اور پھر چاند نکل آیا۔

اور پھر وہ آگئی۔

تیز تیز قدموں سے چلتی ہوئی، بلکہ پگڈنڈی کے ڈھلان پر دوڑتی ہوئی۔ وہ میرے قریب آکے رک گئی۔ اس نے آہستہ کہا۔

"ہائے!"

اس کی سانس تیزی سے چل رہی تھی، پھر رک جاتی، پھر تیزی سے چلنے لگتی۔ اس نے میرے شانے کو اپنی انگلیوں سے چھوا اور پھر اپنا سر وہاں رکھ دیا اور اس کے گہرے سیاہ بادلوں کا پریشان گھنا جنگل دور تک میری روح کے اندر پھیلتا چلا گیا اور میں نے اس سے کہا:

"سہ پہر سے تمھارا انتظار کر رہا ہوں۔"

ماڈیول–II

نوٹس

جذب ہونا: گھل مل جانا

شاخوں: ڈالیوں

پکھراج: جواہرات کی قسم جو زرد یا سفید رنگ کا ہوتا ہے۔

نیلگوں: نیلے رنگ کا

گف: موٹا

سبز: ہرا

معصوم: بھولی بھالی

شگوفے: کلیاں

زمستاں: جاڑا

رقصاں ولرزاں: ناچنا اور تھرتھرانا

منتظر: انتظار کرنے والا

قرمزی: لال

سیاہ: کالا

حتیٰ کہ: اس حد تک

لمس: چھو جانا

شانے: کندھے

ماڈیول–II

نوٹس

بھری شاخ: پھول پتوں سے بھری ہوئی ٹہنی

مسرت: خوشیوں بھرا
فریب: دھوکا
نغمہ: گانا گانا

بھات: پکا ہوا چاول
بہار آفریں: بہار پیدا کرنے والی
غصہ ڈھلنا: غصہ کا ختم ہو جانا (محاورہ)
بے ہنگم صداؤں: بھونڈی آوازوں
سمفنی: مختلف سازوں کے ذریعہ ترتیب دی ہوئی موسیقی
ساکن: خاموش

اس نے ہنس کر کہا: ”اب رات ہوگئی ہے، بڑی اچھی رات ہے یہ۔“ اس نے اپنا کمزور ننھا چھوٹا سا ہاتھ میرے دوسرے شانے پر رکھ دیا جیسے بادام کی پھولوں سے بھری شاخ جھک کر میرے کندھے پر سو رہی ہے۔

دیر تک وہ خاموش رہی۔ دیر تک میں خاموش رہا۔ پھر وہ آپ ہی آپ ہنسی، بولی— ”ابا میرے پگڈنڈی کے موڑ تک میرے ساتھ آئے تھے، کیونکہ میں نے کہا، مجھے ڈر لگتا ہے۔ آج مجھے اپنی سہیلی رجو کے گھر سونا ہے، سونا نہیں ہے، جاگنا ہے، کیونکہ بادام کے پہلے شگوفوں کی خوشی میں ہم سب سہیلیاں رات بھر جاگیں گی اور گیت گائیں گی اور یہی تو سہ پہر سے تیاری کر رہی تھی ادھر آنے کی۔ لیکن دھان صاف کرنا تھا اور کپڑوں کا یہ جوڑا کل دھویا تھا، آج سوکھا نہ تھا۔ اسے آگ پر سکھایا اور اماں جنگل سے لکڑیاں چننے گئی تھیں، وہ ابھی آئی نہ تھیں۔ اور جب تک وہ نہ آئیں، میں مکئی کے بھٹے اور خشک خوبانیاں تمھارے لیے کیسے لا سکتی ہوں۔ دیکھو یہ سب کچھ لائی ہوں تمھارے لیے۔ ہائے تم تو سچ مچ خفا کھڑے ہو۔ میری طرف دیکھو میں آ گئی ہوں۔ آج پورے چاند کی رات ہے۔ آؤ کنارے لگی ہوئی کشتی کھولیں اور جھیل کی سیر کریں۔“

اس نے میری آنکھوں میں دیکھا اور میں نے اس کی محبت اور حیرت میں گم پتلیوں کو دیکھا، جن میں اس وقت چاند چمک رہا تھا اور یہ چاند مجھ سے کہہ رہا تھا: جاؤ کشتی کھول کے جھیل کے پانی پر سیر کرو۔ آج بادام کے پہلے شگوفوں کا مسرت بھرا تیوہار ہے۔ آج اس نے تمھارے لیے اپنی سہیلیوں اپنے ابا، اپنی ننھی بہن، اپنے بڑے بھائی سب کو فریب میں رکھا ہے، کیونکہ آج پورے چاند کی رات ہے اور بادام کے سپید خنک شگوفے برف کے گالوں کی طرح چاروں طرف پھیلے ہوئے ہیں اور کشمیر کے گیت اس کی چھاتیوں میں بچے کے دودھ کی طرح امنڈ آئے ہیں۔ اس کی گردن میں تم نے موتیوں کی یہ ست لڑی دیکھی۔ یہ سرخ ست لڑی اس کے گلے میں ڈال دی اور اس سے کہا: ”تو آج رات بھر جاگے گی۔ آج کشمیر کی بہار کی پہلی رات ہے۔ آج تیرے گلے سے کشمیر کے گیت یوں کھلیں گے جیسے چاندنی رات میں زعفران کے پھول کھلتے ہیں۔ یہ سرخ ست لڑیاں پہن لے۔“

چاند نے یہ سب کچھ اس کی حیران پتلیوں سے جھانک کے دیکھا، پھر یکایک کہیں کسی پیڑ پر ایک بلبل نغمہ سرا ہو اٹھی اور کشتیوں میں چراغ جھلملانے لگے اور تنگوں سے پرے بستی میں گیتوں کی مدھم صدا بلند ہوئی۔ گیت اور بچوں کے قہقہے اور مردوں کی بھاری آوازیں اور ننھے بچوں کے رونے کی میٹھی صدائیں، چھتوں سے اور زندگی کا آہستہ آہستہ سلگتا ہوا دھواں اور شام کے کھانے کی مہک، مچھلی اور بھات اور کڑم کے ساگ کا نرم نمکین اور لطیف ذائقہ اور پورے چاند کی رات کا بہار آفریں جوبن۔ میرا غصہ ڈھل گیا۔ میں نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور اس سے کہا: ”آؤ چلیں جھیل پر۔“

پل گزر گیا، پگڈنڈی گزر گئی، بادام کے درختوں کی قطار ختم ہوگئی۔ اب ہم جھیل کے کنارے چل رہے تھے۔ جھاڑیوں میں مینڈک بول رہے تھے۔ مینڈک اور جھینگر اور مینڈے، ان کی بے ہنگم صداؤں کا شور بھی ایک نغمہ بن گیا تھا۔ ایک خواب ناک سمفنی اور سوئی ہوئی جھیل کے بیچ میں چاند کی کشتی کھڑی تھی، ساکن چپ چاپ، محبت کے انتظار

ماڈیول–II

نوٹس

میں، ہزاروں سال سے اسی طرح کھڑی تھی۔ میری اور اس کی محبت کی منتظر، تمھاری اور تمھارے محبوب کی مسکراہٹ کی منتظر، انسان کے انسانوں کو چاہنے کی آرزو کی منتظر، یہ پورے چاند کی حسین پاکیزہ رات محبت کے مقدس لمس کی منتظر ہے۔

کشتی خوبانی کے ایک پیڑ سے بندھی تھی، جو بالکل جھیل کے کنارے اگا تھا۔ یہاں پر زمین بہت نرم تھی۔ اور چاندنی پتوں کی اوٹ سے چھنتی ہوئی آ رہی تھی اور مینڈک ہولے ہولے گا رہے تھے اور جھیل کا پانی بار بار کنارے کو چومتا جاتا تھا اور اس کے چومنے کی صدا بار بار ہمارے کانوں میں آ رہی تھی...... جھیل کی سطح پر لاکھوں کنول کھل گئے۔ نرم ہواؤں کے لطیف جھونکے یکا یک بلند ہو کے صد ہا گیت گانے لگے۔ اور لاکھوں مندروں، مسجدوں اور کلیساؤں میں دعاؤں کا شور بلند ہوا اور زمین کے پھول اور آسمان کے تارے اور ہواؤں میں اڑنے والے بادل سب مل کر ناچنے لگے۔ پھر کنول کھلتے کھلتے سمٹتے گئے گلیوں کی طرح۔ اور گیت بلند ہو ہو کے مدھم ہوتے گئے اور ناچ دھیما پڑتا پڑتا رک گیا۔ اب وہی مینڈک کی آواز تھی۔ وہی جھیل کے نرم نرم بوسے۔

میں نے آہستہ سے کشتی کھولی۔ وہ کشتی میں بیٹھ گئی۔ میں نے چپّو اپنے ہاتھ میں لے لیا اور کشتی کو کھے کر جھیل کے مرکز میں لے گیا۔ یہاں کشتی آپ ہی آپ کھڑی ہوگئی، نہ اِدھر بہتی تھی نہ اُدھر۔ میں نے چپّو اٹھا کر کشتی میں رکھ لیا۔
اس نے پوٹلی کھولی، اس میں سے جروالو نکال کے مجھے دیے۔ خود بھی کھانے لگی۔

جروالو خشک تھے اور کھٹے میٹھے۔

وہ بولی یہ پچھلی بہار کے ہیں۔

میں جروالو کھاتا رہا اور اس کی طرف دیکھتا رہا۔

وہ آہستہ سے بولی:

”پچھلی بہار میں تم نہ تھے۔“

پچھلی بہار میں میں نہ تھا اور جروالو کے پیڑ پھولوں سے بھر گئے تھے اور ذرا سی شاخ ہلانے پر پھول ٹوٹ کر سطح زمین پر موتیوں کی طرح بکھر جاتے تھے۔ پچھلی بہار میں میں نہ تھا اور جروالو کے پیڑ پھلوں سے لدے پھندے تھے۔ سبز سبز جروالو۔ سخت کھٹے جروالو جو نمک مرچ لگا کے کھائے جاتے تھے اور زبان سی سی کرتی تھی اور ناک بہنے لگتی تھی۔

جروالو کھا کے ہم نے خشک خوبانیاں کھائیں۔ خوبانی پہلے تو بہت میٹھی معلوم نہ ہوتی مگر جب دہن کے لعاب میں گھل جاتی تو شہد و شکر کا مزہ دینے لگتی۔

”نرم نرم بہت میٹھی ہیں۔“ یہ میں نے کہا۔

اس نے ایک گٹھلی کو دانتوں سے توڑا اور خوبانی کا بیج نکال کر مجھے دیا۔ ”کھاؤ، بادام کی طرح میٹھا ہے۔“

”ایسی خوبانیاں میں نے کبھی نہیں کھائیں۔“

اس نے کہا: ”یہ ہمارے آنگن کا پیڑ ہے۔ ہمارے یہاں خوبانی کا ایک ہی پیڑ ہے۔ مگر اتنی بڑی سرخ اور میٹھی

منتظر: انتظار کرنے والا
مقدس: پاک
ہولے ہولے: دھیرے دھیرے

پوٹلی: بہت چھوٹی گٹھری
جروالو: ایک قسم کا کھٹّا میٹھا پھل

سبز سبز: ہرے ہرے
دہن: منہ
لعاب: رال

ماڈیول–II

نوٹس

خوبانیاں ہوتی ہیں اس کی کہ میں کیا کہوں۔ جب خوبانیاں پک جاتی ہیں تو میری سہیلیاں اکٹھی ہوجاتی ہیں اور خوبانیاں کھلانے کو کہتی ہیں......پچھلی بہار میں ......

اور میں نے سوچا، پچھلی بہار میں میں نہ تھا، مگر خوبانی کا پیر آنگن میں اسی طرح کھڑا تھا، پچھلی بہار میں وہ نازک پتوں سے بھر گیا تھا۔ پھر ان میں کچی خوبانیوں کے سبز اور نکیلے پھل لگے تھے۔ ابھی ان خوبانیوں میں گٹھلی پیدا نہ ہوئی تھی اور یہ کچے کھٹے پھل دوپہر کے کھانے کے ساتھ چٹنی کا کام دیتے تھے۔ پچھلی بہار میں میں نہ تھا اور ان خوبانیوں میں گٹھلیاں پیدا ہوگئی تھیں اور خوبانیوں کا رنگ ہلکا سنہرا ہونے لگا تھا۔ اور گٹھلیوں کے اندر نرم نرم بیج اپنے ذائقے میں سبز باداموں کو بھی مات کرتے تھے۔

خوبانیاں کھا کے اس نے مکئی کا بھٹا نکالا۔ ایسی سوندھی سوندھی خوشبو تھی۔ سنہرا سینکا ہوا بھٹا اور کرکرے دانے صاف شفاف موتیوں کی سی جلا لیے ہوئے اور ذائقے میں بے حد شیریں۔

شیریں: بہت میٹھے

وہ بولی: ''یہ مصری مکئی کے بھٹے ہیں۔''

''بے حد میٹھے۔'' میں نے بھٹا کھاتے ہوئے کہا۔

وہ بولی، ''پچھلی فصل کے رکھے تھے، گھڑوں میں چھپا کے اماں کی آنکھ سے اوجھل۔''

اوجھل: نظروں سے بہت دور

میں نے بھٹا ایک جگہ سے کھایا۔ دانوں کی چند قطاریں رہنے دیں، پھر اس نے اسی جگہ سے کھایا اور دانوں کی چند قطاریں میرے لیے رہنے دیں، جنھیں میں کھانے لگا اور اس طرح ہم دونوں ایک ہی بھٹے سے کھاتے گئے۔ اور میں نے سوچا: ''یہ مصری مکئی کے بھٹے کتنے میٹھے ہیں۔ پچھلی فصل کے بھٹے، جب تو تھی، میں نہ تھا۔ جب تیرے باپ نے ہل چلایا تھا تو کھیتوں میں، گوڑی کی تھی، بیج بوئے تھے، بادلوں نے پانی دیا تھا۔ زمین نے سبز سبز رنگ کے چھوٹے چھوٹے پودے اگائے تھے، جن میں تو نے نلائی کی تھی۔ پھر پودے بڑے ہوگئے تھے اور ہوا میں جھومنے لگے تھے، اور تو مکئی کے پودوں پر ہرے ہرے بھٹے دیکھنے جاتی تھی۔ جب میں نہ تھا لیکن بھٹوں کے اندر دانے پیدا ہورہے تھے، دودھ بھرے دانے جن کی نازک جلد کے اوپر اگر ذرا سا بھی ناخن لگ جائے تو دودھ باہر نکل آئے۔ ایسے نرم و نازک بھٹے اس دھرتی نے اگائے تھے اور میں نہ تھا۔ دھرتی تھی، تخلیق تھی، محبت کے گیت تھے۔ آگ پر سینکے ہوئے بھٹے تھے، لیکن میں نہ تھا۔

گوڑی: کدال سے گوڑنا

نلائی: کھیت سے گھاس صاف کرنا

مسرت: خوشی

پاکیزہ: پاک

میں نے مسرت سے اس کی طرف دیکھا اور کہا: ''آج پورے چاند کی رات کو جیسے ہر تمنا پوری ہوگئی ہے۔''

اس نے بھٹا میرے منہ سے لگا دیا۔ اس کے ہونٹوں کا گرم گرم نمناک لمس ابھی تک اس ''بھٹے'' پر تھا۔ وہ پورے چاند کی رات مجھے اب تک نہیں بھولتی۔ میری عمر ستر برس کے قریب ہے، لیکن وہ پورے چاند کی رات میرے ذہن میں اس طرح چمک رہی ہے جیسے ابھی وہ کل آئی تھی۔ ایسی پاکیزہ محبت میں نے آج تک نہیں کی ہوگی۔ اس نے بھی نہیں کی ہوگی۔ وہ جادو ہی کچھ اور تھا۔ جس نے پورے چاند کی رات ہم دونوں کو ایک دوسرے سے یوں ملا دیا کہ وہ پھر گھر نہیں گئی۔ اور ہم محبت میں کھوئے ہوئے بچوں کی طرح ادھر ادھر جنگلوں کے کنارے ندی نالوں پر اخروٹوں کے سائے تلے

گھومتے رہے، دنیا ومافیہا سے بے خبر۔ پھر میں نے اسی جھیل کے کنارے ایک چھوٹا سا گھر خرید لیا اور اس میں ہم دونوں رہنے لگے۔ کوئی ایک مہینے کے بعد شری نگر گیا اور اس سے یہ کہہ کے گیا کہ تیسرے دن لوٹ آؤں گا، تیسرے دن میں لوٹ آیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہ ایک نوجوان سے گھل مل کر باتیں کر رہی ہے۔ وہ دونوں ایک ہی رکابی میں کھانا کھا رہے ہیں۔ ایک دوسرے کے منہ میں لقمے ڈالتے جاتے ہیں اور ہنستے جاتے ہیں۔ میں نے انھیں دیکھ لیا لیکن انھوں نے مجھے نہیں دیکھا۔ وہ اپنی مسرت میں اس قدر محو تھے کہ انھوں نے مجھے نہیں دیکھا اور میں نے سوچا کہ یہ پچھلی بہار یا اس سے بھی پچھلی بہار کا محبوب، جب میں نہ تھا۔ اور پھر شاید اور آگے بھی کتنے ہی ایسی بہاریں آئیں گی، کتنی ہی پورے چاند کی راتیں جب محبت ایک فاحشہ عورت کی طرح بے قابو ہو جائے گی اور عریاں ہو کے رقص کرنے لگے گی۔ آج تیرے گھر میں خزاں آ گئی ہے جیسے ہر بہار کے بعد آتی ہے۔ اب تیرا یہاں کیا کام۔ اس لیے میں یہ سوچ کر ان سے ملے بغیر اسی طرح واپس چلا گیا اور پھر اپنی پہلی بہار سے کبھی نہیں ملا۔

اور اب میں اڑتالیس برس کے بعد لوٹ کے آیا ہوں۔ میرے بیٹے میرے ساتھ ہیں۔ میری بیوی مر چکی ہے لیکن میرے بیٹوں کی بیویاں اور ان کے بچے میرے ساتھ ہیں اور ہم لوگ سیر کرتے کرتے سمل جھیل کے کنارے آ نکلے ہیں اور اپریل کا مہینہ ہے۔ سہ پہر سے شام ہو گئی ہے اور میں دیر تک پل کے کنارے کھڑا بادام کے پیڑوں کی قطاریں دیکھتا جاتا ہوں اور خنک ہوا میں سفید شگوفوں کے گچھے لہراتے جاتے ہیں اور پگڈنڈی کی خاک پر سے کسی جانے پہچانے قدموں کی آواز سنائی نہیں دیتی۔ ایک حسین دوشیزہ لڑکی ہاتھوں میں ایک چھوٹی سی پوٹلی دبائے پل پر سے بھاگتی ہوئی گزر جاتی ہے اور میرا دل دھک سے رہ جاتا ہے۔ دور پار تنگوں سے پرے بستی میں کوئی بیوی اپنے خاوند کو آواز دے رہی ہے، وہ اسے کھانے پر بلا رہی ہے۔ کہیں سے ایک دروازہ بند ہونے کی صدا آتی ہے اور ایک روتا ہوا بچہ یکا یک چپ ہو جاتا ہے۔ چھتوں سے دھواں نکل رہا ہے اور پرندے شور مچاتے ہوئے ایک دم درختوں کی گھنی شاخوں میں اپنے پر پھڑ پھڑاتے ہیں اور پھر ایک دم چپ ہو جاتے ہیں۔ ضرور کوئی مانجھی گا رہا ہے اور اس کی آواز گونجتی گونجتی افق کے اس پار گم ہوتی جا رہی ہے۔

میں پل کو پار کر کے آگے بڑھتا ہوں۔ میرے بیٹے اور ان کی بیویاں اور بچے میرے پیچھے آ رہے ہیں، الگ الگ ٹولیوں میں بٹے ہوئے ہیں۔ یہاں پر بادام کے پیڑوں کی قطار ختم ہو گئی۔ تلہ بھی ختم ہو گیا۔ جھیل کا کنارہ ہے۔ یہ خوبانی کا درخت ہے، لیکن کتنا بڑا ہو گیا ہے۔ مگر کشتی، یہ کشتی ہے مگر کیا یہ وہی کشتی ہے۔ سامنے وہ گھر ہے میری پہلی بہار کا گھر، میری پورے چاند کی رات کی محبت۔

گھر میں روشنی ہے بچوں کی صدائیں ہیں۔ کوئی بھاری آواز میں گانے لگتا ہے۔ کوئی بڑھیا اسے چیخ کر چپ کر دیتی ہے۔ میں سوچتا ہوں، آدھی صدی ہو گئی۔ میں نے اس گھر کو نہیں دیکھا۔ دیکھ لینے میں حرج ہی کیا ہے۔ میں گھر کے اندر چلا جاتا ہوں۔

بڑے اچھے پیارے بچے ہیں۔ ایک جوان عورت اپنے خاوند کے لیے رکابی میں کھانا رکھ رہی ہے، مجھے دیکھ کر

نوٹس

فاحشہ: بدچلن

عریاں: بے لباس

رقص: ناچنے

خزاں: پت جھڑ

دوشیزہ: کنواری، جوان

خاوند: شوہر

صدا: آواز

مانجھی: ملاح

آدھی صدی: پچاس سال

ماڈیول–II

نوٹس

ٹھٹک جاتی ہے۔ دو بچے لڑ رہے تھے، مجھے دیکھ کر حیرت سے چپ ہو جاتے ہیں۔ بڑھیا جو ابھی غصے میں ڈانٹ رہی تھی، تھم کے پاس آ کے کھڑی ہو جاتی ہے، کہتی ہے: ''کون ہو تم؟''

میں نے کہا: ''یہ میرا گھر ہے۔''

وہ بولی: ''تمھارے باپ کا ہے۔''

میں نے کہا: میرے باپ کا نہیں ہے، میرا ہے۔ کوئی اڑتالیس برس ہوئے، میں نے اسے خریدا تھا۔ بس اس وقت تو یونہی میں اسے دیکھنے کے لیے چلا آیا۔ آپ لوگوں کو نکالنے کے لیے نہیں آیا ہوں۔ یہ گھر تو بس سمجھیے اب آپ ہی کا ہے۔ میں تو یونہی...... '' میں یہ کہہ کر لوٹنے لگا۔ بڑھیا کی انگلیاں سختی سے تھم پر جم گئیں۔ اس نے سانس زور سے اندر کو کھینچی، بولی: ''تو تم ہو......اب اتنے برس کے بعد کوئی کیسے پہچانے؟''

وہ تھم سے لگی دیر تک خاموش کھڑی رہی۔ میں نیچے آنگن میں چپ چاپ کھڑا اس کی طرف تکتا رہا۔ پھر وہ آپ ہی آپ ہنس دی، بولی، آؤ میں تمھیں اپنے گھر کے لوگوں سے ملاؤں...... دیکھو، یہ میرا بڑا بیٹا ہے۔ یہ اس سے چھوٹا ہے، یہ بڑے بیٹے کی بیوی ہے۔ یہ میرا بڑا پوتا ہے، سلام کرو بیٹا۔ یہ پوتی...... یہ میرا خاوند ہے۔ شش اسے جگاؤ نہیں۔ پرسوں سے اسے بخار آ رہا ہے، سو نے دو اسے......''

وہ بولی: ''تمھاری کیا خاطر کروں؟''

میں نے دیوار پر کھونٹی سے ٹنگے ہوئے مکئی کے بھٹوں کو دیکھا، سینکے ہوئے بھٹے سنہرے موتیوں کے سے شفاف دانے۔

ہم دونوں مسکرا دیے۔

وہ بولی: ''میرے تو بہت سے دانت جھڑ چکے ہیں، جو ہیں وہ بھی کام نہیں کرتے۔''

میں نے کہا: ''یہی حال میرا بھی ہے۔ بھٹا نہ کھا سکوں گا۔''

مجھے گھر کے اندر گھستے دیکھ کر میرے گھر کے افراد بھی اندر چلے آئے تھے۔ اب خوب گہما گہمی تھی۔ بچے ایک دوسرے سے بہت جلد گھل مل گئے۔

ہم دونوں آہستہ آہستہ باہر چلے آئے۔ آہستہ آہستہ جھیل کے کنارے چلے گئے۔ وہ بولی: ''میں نے چھے برس تمھارا انتظار کیا۔ تم اس روز کیوں نہیں آئے؟''

میں نے کہا: ''میں آیا تھا، مگر تمھیں کسی دوسرے نوجوان کے ساتھ دیکھ کر واپس چلا گیا تھا۔''

''کیا کہتے ہو؟'' وہ بولی۔

''ہاں تم اس کے ساتھ کھانا کھا رہی تھیں، ایک ہی رکابی میں اور وہ تمھارے منہ میں اور تم اس کے منہ میں لقمے ڈال رہی تھیں۔''

وہ اک دم چپ ہو گئی۔ پھر زور زور سے ہنسنے لگی۔

نوٹس

''کیا ہوا؟'' میں نے حیران ہوکر پوچھا۔

وہ بولی ''ارے وہ تو میرا سگا بھائی تھا۔''

وہ پھر زور زور سے ہنسنے لگی۔ ''وہ مجھ سے ملنے کے لیے آیا تھا۔اسی روز تم بھی آنے والے تھے۔وہ واپس جا رہا تھا۔میں نے اسے روک لیا کہ تم سے مل کے جائے۔تم پھر آئے ہی نہیں۔''

وہ اک دم سنجیدہ ہوگئی۔ ''چھے برس میں نے تمھارا انتظار کیا۔تمھارے جانے کے بعد مجھے خدا نے بیٹا دیا۔تمھارا بیٹا،مگر ایک سال بعد وہ بھی مرگیا۔چار سال اور میں نے تمھاری راہ دیکھی مگر تم نہیں آئے۔پھر میں نے شادی کرلی۔''

دو بچے باہر نکل آئے۔کھیلتے کھیلتے ایک بچہ دوسری بچی کو مکئی کا بھٹا کھلا رہا تھا۔اس نے کہا: ''وہ میرا پوتا ہے۔''

میں نے کہا: ''وہ میری پوتی ہے۔''

وہ دونوں بھاگتے بھاگتے جھیل کے کنارے کنارے دور تک چلے گئے۔زندگی کے دو خوبصورت مرقعے۔ہم دیر تک انھیں دیکھتے رہے۔وہ میرے قریب آ گئی۔بولی: ''آج تم آئے ہو تو مجھے اچھا لگ رہا ہے۔میں نے اب اپنی زندگی بنالی ہے۔اس کی ساری خوشیاں اور غم دیکھے ہیں۔میرا ہرا بھرا گھر ہے۔اور آج تم بھی آئے ہو، مجھے ذرا بھی برا نہیں لگ رہا ہے۔''

میں نے کہا: ''یہی حال میرا ہے۔سوچتا تھا زندگی بھر تم سے نہیں ملوں گا۔اس لیے اتنے برس ادھر کبھی نہیں آیا۔اب آیا ہوں تو رتی بھر بھی برا نہیں لگ رہا ہے۔''

ہم دونوں چپ ہوگئے۔بچے کھیلتے کھیلتے ہمارے پاس واپس آ گئے۔اس نے میری پوتی کو اٹھا لیا۔میں نے اس کے پوتے کو،اس نے میری پوتی کو چوما، میں نے اس کے پوتے کو اور ہم دونوں خوشی سے ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔اس کی پتلیوں میں چاند چمک رہا تھا اور وہ چاند حیرت سے اور مسرت سے کہہ رہا تھا،انسان مرجاتے ہیں لیکن زندگی نہیں مرتی۔بہار ختم ہوجاتی ہے،لیکن پھر دوسری بہار آ جاتی ہے۔چھوٹی چھوٹی محبتیں بھی ختم ہو جاتی ہیں لیکن زندگی کی بڑی عظیم سچی محبت ہمیشہ قائم رہتی ہے۔تم دونوں پچھلی بہار میں نہ تھے۔یہ بہار تم نے دیکھی،اس سے اگلی بہار میں تم نہ ہوگے،لیکن زندگی بھی ہوگی اور محبت بھی ہوگی اور خوبصورتی اور رعنائی اور معصومیت بھی......''

بچے ہماری گود سے اتر پڑے کیونکہ وہ الگ سے کھیلنا چاہتے تھے۔وہ بھاگتے ہوئے خوبانی کے درخت کے قریب چلے گئے،جہاں کشتی بندھی تھی۔

میں نے پوچھا: ''یہ وہی درخت ہے؟''

اس نے مسکرا کر کہا: ''نہیں یہ دوسرا درخت ہے۔''

رعنائی: زیبائی خوبصورتی

معصومیت: بھولاپن

11.4 متن کی تشریح

وہ اپریل کا مہینہ تھا............جروا لونز کال کے مجھے دیے،خود بھی کھانے لگی۔

ماڈیول–II

نوٹس

کرشن چندر نے افسانے کے اس حصے میں اس پس منظر کو بیان کیا ہے جس میں افسانے کے اہم کرداروں کی ایک دوسرے سے ملاقات ہوتی ہے۔ یہ منظر بہار کی آمد سے پہلے اور بعد کا ہے۔ اپریل کے مہینے میں کشمیر کی ہر ایک شے بہار کے خوبصورت مناظر کی منتظر ہوتی ہے۔ موسم بہار کے آنے سے جہاں ایک طرف فطرت کے حسین مناظر میں تازگی ہی تازگی پیدا ہوجاتی ہے، وہیں افسانہ بیان کرنے والے 'میں' کی منتظر محبوبہ بھی آتی ہے۔ ان دونوں کرداروں کی حرکات وسکنات سے افسانے کا تانا بانا تیار کیا گیا ہے۔

کشمیر کے دلکش مناظر کا ذکر ہر زاویے سے کیا گیا ہے جن میں بادام کے پھولوں سے لدی ڈالیاں، مخملیں دوب پر برف کے تودوں کی دلکشی، پہاڑوں کے حسین خودرو بیل بوٹے، پھل پھول، چرندوں پرندوں کی من موہنی آوازیں، جھیلوں کے سبز پانی کی کشش، ان میں شکاروں پر سیر کرنا اور پورے چاند کا دلربا منظر وغیرہ کا احاطہ کیا گیا ہے۔

قدرت کے ایسے حسین ماحول میں جذباتِ محبت کا دلوں میں بیدار ہونا فطری بات ہے۔ افسانے کا بیان کنندہ یعنی بیان کرنے والا اپنی محبوبہ سے محبت کے اظہار کے لیے بے تاب نظر آتا ہے۔ محبوبہ کے دیر سے آنے کی وجہ سے اس کے مزاج میں وقتی طور پر جو تلخی پیدا ہوگئی تھی وہ اس کے محبت آمیز رویے اور پورے چاند کی رات کی جذبات انگیز فضا سے ختم ہوجاتی ہے۔ دونوں کشتی لے کر جھیل کی سیر کرنے کے لیے چلے جاتے ہیں۔

11.5 زبان کا کام

- کرشن چندر قدرتی مناظر کا بیان دلکش انداز میں کرتے ہیں۔ بیان کو دلکش بنانے کے لیے وہ نئے نئے لفظ تلاش کرتے ہیں مثلاً تنگ، گف، سنگلاخی محراب، برفیلا مس، گہرے سیاہ بادلوں کا پریشان گھنا جنگل وغیرہ وغیرہ۔ یہ ایسے لفظ ہیں جن کا عام طور پر استعمال نہیں ہوتا ہے۔ لیکن کرشن چندر نے جس طرح ان لفظوں کو برتا ہے اس سے عبارت میں تازہ کاری کا حسن پیدا ہوگیا ہے۔
- آپ نے ایک لفظ ''منتظر'' پڑھا ہے جس کے معنی ہیں انتظار کرنے والا۔ اگر اسی لفظ میں جہاں زیر ہے وہاں زبر لگا دیا جائے اور اسے منتظَر پڑھا جائے تو معنی ہوجائیں گے، ''جس کا انتظار کیا جائے''۔
- کنول کے چراغ روشن ہونا اور غصہ ڈھل جانا محاورے ہیں، جن کا مطلب کنول کے پھول کھِلنا اور غصہ ختم ہوجانا ہے۔ محاوروں کے استعمال سے زبان وبیان میں زور پیدا ہوتا ہے۔
- برف کے ٹکڑے سپید پھولوں کی طرح کھلے ہوئے، بادام کی شاخوں پر ہرے ہرے باداموں کا پکھراج کے نگینوں کی طرح جھلملانا، بادام کے خنک شگوفے برف کے گالوں کی طرح کشمیری گیت گانے والی کی چھاتیوں میں بچے کے دودھ کی طرح امنڈ آنا وغیرہ تشبیہات ہیں۔ برف کے ٹکڑوں کو سفید پھولوں سے، ہرے ہرے بادام کو پکھراج کے نگینوں سے، بادام کے سفید شگوفوں کو برف کے گالوں سے اور کشمیر کے گیت کو چھاتیوں میں اُمنڈ آنے والے دودھ سے تشبیہ دی گئی ہے۔

- پگڈنڈی کا سینہ اور کنول کا چراغ استعارے ہیں۔ پگڈنڈی کو سینہ اور کنول کو چراغ فرض کرلیا گیا ہے اور انہی کی نسبت سے آواز کا گونجنا اور چراغ کا روشن ہونا لکھا گیا ہے۔

متن پر مبنی سوالات 11.1

درست جواب پر صحیح (✓) کا نشان لگایئے:

1۔ تیز تیز قدموں سے چلتی ہوئی کون آئی؟

(a) ایک لڑکی

(b) ایک عورت

(c) افسانہ بیان کرنے والے کی محبوبہ

(d) ان میں سے کوئی نہیں

2۔ افسانہ بیان کرنے والا اپنی محبوبہ سے ناراض تھا کیوں کہ

(a) وہ دیر سے آئی تھی

(b) وہ وقت سے پہلے آ گئی تھی

(c) وہ کسی کے ہمراہ آئی تھی

(d) وہ آئی ہی نہیں تھی

3۔ کالم 'الف' اور 'ب' میں دیے گئے غیر مکمل جملوں کو دونوں کالموں کی مدد سے مکمل کریں۔

'الف'	'ب'
(i) جھیل کا گہرا سبز پانی اپنے سینے کے اندر ان لاکھوں رُوپوں کو چھپائے بیٹھا تھا	(a) جیسے چاندنی رات میں زعفران کے پھول کھلتے ہیں۔
(ii) بلند و بالا تنگوں کے نیچے مخملیں دوب پر کہیں کہیں برف کے ٹکڑے	(b) جو بہار کی آمد پر یکا یک اس کی سطح پر ایک معصوم اور بے لوث ہنسی کی طرح کھل جائیں گے۔
(iii) اس نے اپنا کمزور ننھا چھوٹا سا ہاتھ میرے دوسرے شانے پر رکھ دیا اور	(c) سپید پھولوں کی طرح کھلے ہوئے نظر آ رہے تھے۔
(iv) آج تیرے گلے سے کشمیر کے گیت یوں کھلیں گے	(d) جیسے بادام کے پھولوں سے بھری شاخ جھک کر میرے کندھوں پر سو رہی۔

4۔ ابھی سُمل کی جھیل پر کنول کے چراغ روشن نہ ہوئے تھے، کا مطلب ہے کہ

(a) ابھی سُمل کی جھیل میں چراغ نہیں جلائے گئے تھے

ماڈیول–II

نوٹس

(b) ابھی سُمل کی جھیل میں کنول کے پھول نہیں کھلے تھے

(c) سُمل کی جھیل میں کنول کے پھول کھل چکے تھے۔

(d) ان میں سے کوئی نہیں

5۔ مندرجہ ذیل جملوں کو غور سے پڑھیں اور بتائیں کہ ان میں کس چیز کو کس چیز سے تشبیہ دی گئی ہے۔

a) مخملیں دوب پر کہیں کہیں برف کے ٹکڑے سپید پھولوں کی طرح کھلے ہوئے نظر آرہے تھے۔

b) بادام کی شاخوں پر ہرے ہرے بادام پکھراج کے نگینوں کی طرح جھلملائیں گے۔

c) کشمیر کے گیت اس کی چھاتیوں میں بچے کے دودھ کی طرح امنڈ آئے تھے۔

11.6 متن کی تشریح

جروالو خشک تھے اور کھٹے میٹھے......اور پھر اپنی پہلی بہار سے کبھی نہیں ملا۔

افسانے کے اس حصے میں افسانہ بیان کرنے والے کی محبوبہ گھر سے جو خشک جروالو، خشک خوبانیاں اور بھنے ہوئے مصری مکئی کے بھٹے لائی تھی جھیل کے بیچ کشتی میں بیٹھ کر دونوں مزہ لے لے کے کھاتے ہیں۔ کھانے کے دوران ان چیزوں کے توسط سے پچھلی بہار کا ذکر آتا ہے جب وہ موجود نہیں تھا۔ لیکن قدرت کے دلکش مناظر، خودرو بیل بوٹوں کی رعنائیاں، بہار کا جوبن اور محبت کرنے والے سب کچھ اس برس کی بہار کی طرح پچھلی بہار میں بھی تھے۔

جس رات وہ دونوں جھیل کی سیر کر رہے تھے، وہ پورے چاند کی رات تھی۔ دونوں دُنیا و مافیہا سے بے خبر ہو کر اپنی محبت میں سرشار تھے۔ جھیل کی سیر کے بعد ندی نالوں کے آس پاس لگے ہوئے اخروٹوں کے سائے تلے اپنی محبت میں سرشار تھے۔ جھیل کی سیر کے بعد ندی نالوں کے آس پاس لگے ہوئے اخروٹوں کے سائے تلے گھومتے رہے۔ آخر کار سُمل کی جھیل کے کنارے ایک مکان خرید کر اس میں بس جاتے ہیں۔ مہینہ بھر ساتھ ساتھ رہنے کے بعد وہ یہ کہہ کر سری نگر چلا جاتا ہے کہ تیسرے دن لوٹ آؤں گا، تیسرے دن جب واپس آتا ہے تو اپنی محبوبہ کو ایک دن کسی مرد کے ساتھ باتیں کرتے، ہنستے بولتے اور ایک ہی رکابی میں کھانا کھاتے دیکھ کر ایک عام انسان کی طرح غلط فہمی کا شکار ہو جاتا ہے کہ یہ اس کا پچھلی بہار کا عاشق ہے جب وہ موجود نہیں تھا۔ اس غلط فہمی میں مبتلا ہو کر وہ اپنی محبوبہ سے کچھ دریافت کیے بنا ہی اُلٹے پاؤں واپس چلا جاتا ہے۔

11.7 زبان کا کام

- کرشن چندر کی زبان و بیان کے سلسلے میں کہا جاتا ہے کہ وہ نثر میں شاعری کرتے ہیں کیونکہ ان کی زبان تشبیہوں، استعاروں اور خوبصورت لفظی تراکیب سے بھری ہوتی ہے۔ افسانے کے اس حصے کو پڑھ کر اس بات کا اندازہ آپ کو ضرور ہوا ہوگا۔

ماڈیول–II

نوٹس

- ’آنکھ سے اوجھل ہونا‘ محاورہ ہے جس کا مطلب آنکھوں سے دور ہونا ہے۔

متن پر مبنی سوالات 11.2

1۔ افسانے کے اس جملے سے کہ دھرتی تھی، تخلیق تھی، محبت کے گیت تھے، کیا مطلب برآمد ہوتا ہے؟

(a اس برس کی طرح پچھلی بہار کے حسن اور محبت کی کہانی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

(b وادیٔ کشمیر کے صرف قدرتی مناظر کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

(c ہندوستان کے دلکش مناظر کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

(d ان میں سے کوئی نہیں۔

2۔ جھیل کے بیچوں بیچ کشتی میں بیٹھ کر افسانہ بیان کرنے والے اور اس کی محبوبہ نے کیا نہیں کھایا تھا؟

(a خشک جروالو

(b خشک خوبانیاں

(c سیب

(d بھنے ہوئے مصری مکئی کے بھٹے

3۔ مندرجہ ذیل میں سے پچھلی بہار میں کیا نہیں تھا؟

(a دھرتی

(b میں

(c تخلیق

(d محبت کے گیت؟

4۔ آج پورے چاند کی رات کو جیسے............“

(a ہر بات پوری ہوگئی ہے۔

(b محبت ختم ہوگئی ہے۔

(c محبت مکمل ہوگئی ہے۔

(d ہر چیز پوری ہوگئی ہے۔

5۔ نیچے دیے گئے لفظوں کی مدد سے خالی جگہوں کو پُر کر کے جملوں کو مکمل کریں۔

مجھے، سطح زمین، دودھ، شہد و شکر

(a) ”جروالو کی شاخ ہلانے پر پھول ٹوٹ کر............ پر موتیوں کی طرح بکھر جاتے ہیں۔“

(b) ’خوبانی تو پہلے بہت میٹھی نہ معلوم ہوتی مگر جب دہن کے لعاب میں گھل جاتی تو......کا مزہ دینے لگتی۔“

ماڈیول–II

نوٹس

(c) 'دودھ بھرے دانے جن کی نازک جلد کے اوپر اگر ذرا سا ناخن لگ جائے تو............ باہر نکل آتا ہے۔''

(d) 'وہ اپنی مسرت میں اس قدر محو تھے کہ انھوں نے......نہیں دیکھا۔'

11.8 متن کی تشریح

اور اب اڑتالیس برس کے بعد............اس نے مسکرا کر کہا،نہیں یہ دوسرا درخت ہے، یہ افسانے کا آخری حصہ ہے۔جس میں کرشن چندر نے افسانے کے اس وحدت تاثر کو منتہا تک پہنچایا ہے کہ آنکھوں دیکھا ہمیشہ سچ نہیں ہوتا ہے بلکہ اس سے کبھی کبھی دیکھنے والا غلط فہمی کا شکار ہو جاتا ہے جس کا نتیجہ اس کی بربادی کی شکل میں سامنے آتا ہے۔

افسانے کا راوی 'میں' اپنی آنکھوں پر یقین کر کے جس غلط فہمی کا شکار ہوا تھا، اس کا ازالہ اس کی محبوبہ کی زبانی اس وقت ہوتا ہے جب وہ اس واقعے کے اڑتالیس سال بعد اپنے بیٹوں اور بہوؤں اور ان کے بچوں کے ساتھ موسم بہار کی پورے چاند کی رات میں کشمیر کی سیر کرنے کے لیے آتا ہے اور پھر اس کی اپنی محبوبہ سے ملاقات ہو جاتی ہے۔جس نوجوان کے ساتھ اس کی محبوبہ ایک ہی رکابی میں کھانا کھاتے وقت ہنس بول رہی تھی، وہ کوئی غیر نہیں تھا بلکہ وہ اس کی محبوبہ کا سگا بھائی تھا، جسے وہ اپنے معشوق یعنی افسانہ کے راوی سے ملوانا چاہتی تھی۔اس انکشاف پر دونوں کف افسوس ملتے ہیں اور ایک دوسرے کا اپنے بچوں، پوتوں اور پوتیوں سے تعارف کرواتے ہیں۔دونوں کو ایک دوسرے کی قربت بے حد اچھی لگ رہی تھی۔افسانے کا راوی اس کے پوتے کو اور اس کی پچھلی بہار کی محبوبہ کی پوتی کو گود میں لے کر چومتا ہے اور پھر وہ دونوں خوشی سے ایک دوسرے کو دیکھتے ہیں۔

افسانے کے اختتام پر کرشن چندر نے چاند کی زبانی جو یہ کہا ہے کہ انسان مرجاتے ہیں لیکن زندگی نہیں مرتی۔ بہار ختم ہو جاتی ہے لیکن پھر دوسری بہار آجاتی ہے۔چھوٹی چھوٹی محبتیں ختم ہو جاتی ہیں لیکن زندگی کی بڑی عظیم سچی محبت ہمیشہ قائم رہتی ہے۔تم دونوں پچھلی بہار میں نہ تھے۔یہ بہار تم نے دیکھی، اس سے اگلی بہار میں تم نہ ہو گے لیکن زندگی بھی ہوگی اور محبت بھی ہوگی اور خوبصورتی اور رعنائی اور معصومیت بھی......'' سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ زندگی اور محبت ایک تسلسل اور ایک روانی کا نام ہیں، یہ ختم ہونے والی چیزیں نہیں ہیں۔ہاں، زندگی جینے اور سچی محبت کرنے والے لوگ ہمیشہ اس دنیا میں پیدا ہوتے رہیں گے۔

11.9 زبان کا کام

- کرشن چندر نے اپنی استعاراتی زبان اور خوبصورت تشبیہات کی مدد سے اس افسانے کا تانا بانا اس طریقے سے بنا ہے کہ یہ ایک بھرپور تاثر پیدا کرتا ہے اور وہ تاثر ہے خوشی کا، زندگی کے تسلسل کا اور محبت کی دائمیت کا۔
- خاطر کرنا، راہ دیکھنا، رتی بھر بُرا نہ ماننا یہ سب محاورے ہیں جن کے معنی افسانے کی عبارت کے ساتھ دیے گئے ہیں۔

- کرشن چندر کے بارے میں جو کہا جاتا ہے کہ وہ نثر میں شاعری کرتے ہیں، ان کے اس افسانے کو پڑھ کر آپ بھی شعریت سے ضرور لطف اندوز ہوں گے۔

متن پر مبنی سوالات 11.3

درست جواب پر صحیح (✓) کا نشان لگائیے۔

1۔ افسانہ بیان کرنے والا اڑتالیس برس کے بعد کشمیر کی سیر کے لیے آیا تھا۔

(a) اکیلا

(b) اپنی پچھلی بہار کی محبوبہ کے ساتھ

(c) اپنے بیٹوں، بہوؤں اور ان کے بچوں کے ساتھ

(d) اپنی اس بہار کی محبوبہ کے ساتھ

2۔ مندرجہ ذیل میں سے کون سا جملہ اس افسانے کے مطابق غلط ہے۔

(a) انسان مر جاتے ہیں۔

(b) چھوٹی چھوٹی محبتیں ختم نہیں ہوتیں۔

(c) زندگی کی سچی محبت ہمیشہ قائم رہتی ہے۔

(d) بہار ختم ہو جاتی ہے۔

3۔ جس محبت کی بنیاد ایک اتفاق اور غلط فہمی پر ہو، وہ......

(a) ہمیشہ قائم رہتی ہے۔

(b) محبت ہوتی ہی نہیں۔

(c) جلد ختم ہو جاتی ہے۔

(d) ان میں سے کوئی نہیں۔

4۔ 'رتی بھر بھی برا نہیں لگ رہا'، کے معنی ہیں

(a) ذرا بھی برا نہ لگنا

(b) برا لگنا

(c) ذرا ذرا سا برا لگنا

5۔ افراد جمع ہے:

(a) ایک شعر کی

(b) فہرست کی

(c) تنہائی کی

(d) فرد کی

11.10 آپ نے کیا سیکھا

- جس محبت کی بنیاد غلط فہمی پر ہوتی ہے، وہ جلد ختم ہو جاتی ہے۔
- زندگی اور سچی محبت تسلسل سے عبارت ہے۔ یہ ختم نہ ہونے والی چیزیں ہیں۔
- فطرت کی گود فطری جذبے جیسے محبت خوش رہنے کی تمنا، جینے کی آرزو وغیرہ کو جلا بخشتی ہے۔
- افسانے کے دونوں اہم کردار ''میں'' اور ''وہ'' طبیعتاً نیک، سادہ لوح اور قربانی کے جذبے سے سرشار تھے۔
- آنکھوں دیکھا ہمیشہ سچ نہیں ہوتا ہے بلکہ یہ کبھی کبھی غلط فہمی کو جنم دیتا ہے جس کی وجہ سے دیکھنے والے کو نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔
- کرشن چندر کا افسانہ رومانی انداز کا افسانہ ہے جس میں ایک خوبصورت کہانی کے ذریعے محبت کا فلسفہ بیان کیا گیا ہے۔

11.11 اسلوب بیان

1۔ کرشن چندر رومان پرست ہیں۔ اس لیے ان کی تحریر میں رومانیت ہوتی ہے۔

2۔ کرشن چندر فطری مناظر اور قدرتی حسن کے دلدادہ تھے۔ کشمیر کی خوبصورتی ان کی گھٹی میں شامل تھی۔ اس لیے ان کے افسانوں میں وادیٔ کشمیر کا ذکر اکثر و بیشتر ملتا ہے۔

3۔ کرشن چندر قدرتی مناظر کا بہت دلکش بیان کرتے ہیں۔ اس لیے وہ نئے نئے لفظوں کی تلاش و جستجو کرتے ہیں۔ بھاری بھرکم الفاظ کے استعمال سے احتراز کرتے ہیں۔ ان کی لفظیات میں کچھ ایسے الفاظ ہیں جن کے عام طور پر استعمال نہیں ہوتا لیکن کرشن چندر نے بڑی خوبی سے ان نئے لفظوں کو برتا ہے۔ یہ الفاظ ہیں:
تنگ، گف، سنگلاخی محراب، گہرے سیاہ بادلوں کا پریشان گھنا جنگل، رات کے سناٹے میں پہلا تارا کسی مسافر کے گیت کی طرح چمک اٹھا وغیرہ۔

4۔ کرشن چندر کی نثر جذباتی، رنگین، اور جان دار ہوتی ہے۔ تشبیہات و استعارات کا موقع محل کے لحاظ سے استعمال، روزمرہ اور محاوروں کے خوب صورت برتاؤ سے افسانے کی عبارت میں جان پڑ جاتی ہے۔

11.12 مزید مطالعہ

1۔ کرشن چندر کے دوسرے افسانے جیسے 'کالو بھنگی'، 'دو فرلانگ لمبی سڑک'، 'ان داتا' وغیرہ پڑھیے۔

ماڈیول–II

نوٹس

11.13 اختتامی سوالات

1۔ افسانہ بیان کرنے والے کی اپنی محبوبہ سے پہلی ملاقات کا حال لکھیے:
2۔ افسانہ بیان کرنے والا ''میں'' اور اس کی محبوبہ ''وہ'' کی محبت کیوں ختم ہوگئی؟
3۔ قدرتی چیزوں کے توسط سے زندگی اور سچی محبت کے تسلسل پر روشنی ڈالیے۔
4۔ ''آج پورے چاندکی رات کو جیسے ہر بات پوری ہوگئی ہے۔'' افسانے کا راوی کیا کہنا چاہتا ہے۔
5۔ اڑتالیس برس کے بعد جب افسانہ بیان کرنے والا اپنی پچھلی بہار کی محبوبہ سے ملتا ہے تو کس غلط فہمی کا ازالہ ہوتا ہے۔
6۔ اس افسانے کی روشنی میں سچی محبت کی بنیادکن چیزوں پر قائم کی جاسکتی ہے۔
7۔ افسانے کی منظرنگاری پر ایک پیراگراف میں اپنے خیالات کو لکھیے۔
8۔ کرشن چندر کے انداز تحریر کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟

متن پر مبنی سوالات کے جوابات

11.1

1۔ (c)
2۔ (a)
3۔ (i) (b)
(ii) (c)
(iii) (d)
(iv) (a)
4۔ (b)
5۔ (a) برف کے ٹکڑوں کو سپید پھولوں سے تشبیہ دی گئی ہے۔
(b) ہرے ہرے بادام کو پکھراج کے نگینوں سے تشبیہ دی گئی ہے۔
(c) کشمیر کے گیتوں کو چھاتیوں میں بچے کے دودھ سے تشبیہ دی گئی ہے۔

11.2

1۔ (a)
2۔ (c)

3۔ (b)

4۔ (d)

5۔ (a) سطحِ زمین

(b) شہد و شکر

(c) دودھ

(d) مجھے

11.3

1۔ (c)

2۔ (b)

3۔ (c)

4۔ (a)

5۔ (d)